Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.107, 2017 pp 159 - 174

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۸، اپریل۔جون ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۷

فارسی برصغیر میں اسلامی تاریخ نویسی کی درخشاں زبان

☆سہیل اختر ☆☆ڈاکٹر مفتی عبدالرزاق

Abstract:

The historiographical tradition of the Muslims goes back to the seventh century when the composition of Sirah and Maghazi works began. The Islamic phase of historiography in India started with the remarkable of Chachnama from Arabic into Persian. The Muslims had a better sense of history than other communities of India. Therefore, historiography was developed by the Muslims in India after the establishment of Muslim rule. During the rule of the Delhi Sultanate large number of historical and literary work was produced. Almost all the works have been done in Persian language. Persian was not only a literary language but also was official language under Muslim Rule. In Persian literature Mughal India excelled contemporary Iran itself. This article is an effort to highlight the Persian literature and Persian historiography which set a new trend of history writing in India

Keywords: Persian, Historigraphy, Subcontinent, Chach Nama, Muhammad b. Qasim, Al-Bairuni, Ameer Khusrow, Wali Dakni, Abul Farj Runi, Masood Saad Salman.

تاریخ کا لفظی مطلب تحقیق و تدوین ہے۔ تاریخ کا علم نہایت وسیع ہے۔ یہ اپنے اندر جامعیت رکھتا ہے۔ یہ انسانی کردار کے مطالعے کا نام ہے۔ مختلف ادوار میں دنیا کے مختلف علاقوں میں اس علم کو پذیرائی ملی۔ تاریخ نویسی کا باقاعدہ آغاز یونان سے ہوا۔ ہیروڈوٹس کو پہلا مورخ تصور کیا جاتا ہے جو بابائے تاریخ کہلاتا ہے۔ اس کے بعد تاریخ نگاری کا رواج بڑھتا گیا۔ برصغیر کے اندر بھی قدیم دور میں تاریخ نویسی کا

☆ لیکچرر تاریخ، غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان
☆☆ لیکچرر اسلامیات، غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان

رواج کسی قدر موجود تھا مگر اس کو باقاعدہ پذیرائی مسلمانوں کے اقتدار میں ملی۔ جب مسلمان بادشاہوں نے علم تاریخ کی نہ صرف سرپرستی کی بلکہ اس علم کی آبیاری میں بھرپور حصہ لیا۔ مسلمان تاریخ نویسی کے بانی تصور ہوتے ہیں جنھوں نے علم تاریخ کو پروان چڑھایا۔ اسلامی تاریخ نویسی کا آغاز مغازی اور سیرت نگاری سے ہوا۔ اس کے بعد، ابن سعد، طبری، المسعودی، ابن کثیر، ابن اثیر اور ابن خلدون جیسے نامور مورخین نے عربی زبان میں اسلامی تاریخ نویسی کو بام عروج تک پہنچا دیا۔ تاریخ نویسی کا یہ علم عرب وایران سے ہو کر جب برصغیر آیا تو شاہانِ ہند نے اس کو خوش آمدید کہا۔ برصغیر کی علمی ادبی ترقی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ ہمسایہ زبان ہونے کے ناطے ہندوستان کے ادب پر فارسی زبان نے گہرے نقوش چھوڑے۔ فارسی زبان یہاں تاریخ نویسی کی ہی نہیں امور سلطنت کی ترجمان زبان قرار پائی اور سب سے موثر و معتبر مقام پر فائز ہوئی۔ مشہور و معروف تاریخ کتب فارسی میں تالیف ہوئیں۔ اسلامی ہند میں تاریخ نویسی فارسی زبان کی مرہونِ منت ہے جو سلاطین کے دور سے لے کر عہد مغلیہ کے زوال تک غالب رہی تا آنکہ انگریزوں نے فارسی کی جگہ انگریزی رائج کر کے اس کی صدیوں سے قائم حیثیت کا خاتمہ کر دیا۔ مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کا اثر دوسرے علوم کی طرح تاریخ نویسی پر بھی ہوا۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد یہاں فن تاریخ نویسی نے غیر معمولی ترقی کی۔ مسلم مورخین کی ایک لمبی فہرست ہے جنھوں نے برصغیر میں نہ صرف تاریخ نویسی کو عروج بخشا بلکہ اپنی علمی صلاحیت کا بھی لوہا منوایا۔ برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت کا آغاز دیبل پر حملے اور قبضے کے ساتھ ہوا جب محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو شکست دے کر سندھ پر قبضہ کر لیا۔ سندھ کی تاریخوں میں جو برصغیر میں لکھی گئیں ہیں ان میں پہلی کتاب تاریخ قاسمی المشہور رچچ نامہ ہے۔ اس کتاب کو عربی میں خواجہ امام ابراہیم نے لکھا۔ اس کا پہلا نسخہ عربی میں تھا۔ اس عربی نسخے کا پہلا ترجمہ علی بن حامد بن ابوبکر کوفی نے کیا۔ یہ کتاب چچ نامہ کے نام سے مشہور ہے۔ خیال ہے کہ اس فارسی ترجمہ کا اصل نام فتح نامہ ہندو سندھ ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ چچ نامہ فتح نامہ کی تحریف ہے۔ اصل ترجمہ فتح نامہ ہی ہے۔ (۱)

کتاب کا نام چچ نامہ لکھنے کی یا اسے چچ نامہ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ راجہ داہر سے پہلے چچ نام کا راجہ جب شمالی برصغیر کے اس علاقہ کا حاکم تھا تو اسی مناسبت سے اس فارسی ترجمے کا نام چچ نامہ رکھا گیا۔ اس علاقے میں علم وادب کی شمع روشن کرنے میں محمود غزنوی کا کردار روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ محمود بذات خود علم وادب کا دلدادہ ہی نہیں بلکہ اہل علم کا قدردان تھا۔ اس نے اپنے دور میں علم وادب کی ترقی میں مرکزی کردار ادا کیا۔ اس نے کئی درسگاہیں بنوائیں جس کے نتیجے میں علم وادب کو ترقی ملی۔ محمود کا سالانہ علمی ادبی خرچ چار لاکھ درہم تھا۔ اس نے دارالعلوم کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جہاں تقریباً ہر زبان میں لکھی گئی کتاب موجود تھی۔ محمود ایک سخن شناس عالم ہونے کے ساتھ ساتھ علم پرور بھی تھا اور اس کا دربار علما، فضلا اور شعرا کا ملجا و ماویٰ تھا۔ ان شعرا اور علما میں کئی ایک نام بہت مشہور ہیں۔ فردوسی کا شاہ نامہ اسی عہد کی

عظیم یادگار ہے۔محمود خود بھی ایک عالم شخص تھا۔اس کی فقہ کی کتاب تفرید الفروع بہت مشہور ہے۔ یہ کتاب حنفی مذہب پر لکھی گئی۔اس میں ساٹھ ہزار مسائل پر بحث کی گئی ہے۔(۲)

اسی طرح وادی پشاور اور اس کے قرب و جوار کے علاقے میں عربی اور فارسی زبان کو خاص پذیرائی ملی جب محمود نے ارسلان جاذب کو اس علاقے کا حاکم مقرر کیا۔ یہ واقعہ 999 عیسوی کا ہے۔اس علاقے میں فارسی زبان میں تحریریں اور کتبے لکھے جانے لگے۔(۳) پروفیسر براؤن کا خیال ہے کہ محمود ایک علمی حریص تھا۔وہ علما کا اغوا کار تھا اس کو اگر یہ پتا چلتا کہ کہیں کوئی عالم موجود ہے تو وہ اس کو بزور طاقت اپنے دربار میں بلواتا اور اس حکم سے سرتابی ممکن نہ تھی۔(۴) مسلمانوں میں علم وادب کی ترقی ان کی میراث سمجھی جاتی تھی اس لیے علما اور دانشور دربار شاہی کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔علم وادب کی ترقی کا جہاں تک معاملہ ہے تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان محمود کے دور میں علم وادب نے خوب ترقی کی۔ سلطان ہی نہیں اس کے جانشین بھی علم وادب کے قدردان تھے اور علم پر روپیہ خرچ کرتے تھے۔اس کی ایک اہم مثال ابوریحان محمد بن احمد البیرونی کی ہے۔محمود نے جب خوارزم کو فتح کیا اور وہ البیرونی کو اپنے دربار میں لے آیا تو اس کو خوب عزت و احترام دیا۔مسعود کے دور میں جب البیرونی نے علم ہیئت پر کتاب قانون المسعودی لکھی تو اس کو اس کاوش کا صلہ ہاتھی کے برابر چاندی کی شکل میں ملا۔(۵)

البیرونی نے ایک سو چودہ کتابیں لکھیں اور بیہقی کی تاریخ الحکما کے حوالے سے شیخ اکرام نے لکھا ہے کہ البیرونی نے تحصیل علم میں چالیس سال صرف کیے اور ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ کتب لکھیں جس میں علوم سنین، ریاضی، ہیئت، جغرافیہ، طبیعات، کیمیا اور علم معدنیات شامل ہیں۔ وہ فارسی، عربی، ترکی، خوارزمی، عبرانی، یونانی اور سنسکرت زبانوں پر مکمل عبور رکھتا تھا۔

عاقل کسے تواند بو د که به تدبیر امروز از تدبیر فردا مستغنی شود (٦)

فارسی البیرونی کی مادری زبان تھی مگر وہ سنسکرت کا بھی ماہر تھا۔فلسفہ اور ہندسہ میں اہل ہند اپنی نظیر آپ تھے۔وہ کہتا ہے کہ جب پنڈتوں سے میرا مکالمہ ہوتا اور میں ان کی اغلاط کو درست کرتا وہ حیران ہو کر پوچھتے کہ آپ نے یہ علم کس پنڈت سے سیکھا ہے۔(۷) حسن بن اسحاق فردوسی، ابوالقاسم حسن بن احمد عنصری، عبدالعزیز بن منصور عسجدی اور ابوالحسن علی بن جولغ فرخی جیسے شعرا کو محمود کے دربار نے بلند مقام عطا کیا اور ان کو شہرت کی بلندی پر پہنچا دیا۔ان شعرا میں عسجدی سلطان کی سومنات کی مہم میں شریک تھا۔اس پر اس نے ایک زبردست قصیدہ لکھا جس کا مطلع یوں ہے:

تا شاه خسرواں سفر سومنات کرد　　　کردار خویش را علم معجزات کرد(۸)

قرون وسطی میں مسلمان محققین نے فن تاریخ نویسی کو عروج تک پہنچایا۔اسی طرح سلاطین دہلی کی سرپرستی میں عربی وفارسی زبان کو ترقی دی جاتی رہی۔اسلامی تعلیم کے نظام میں عربی کے مطالعے کو معزز

مقام حاصل تھا۔حقیقت یہ ہے کہ اس زبان میں کمال حاصل کیے بغیر اعلیٰ تعلیم نامکمل سمجھی جاتی تھی۔مگر اس کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں کی اہمیت کو بھی پوری طرح محسوس کیا گیا اور ان کی ترویج میں بھی پوری دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔(۹)

مسلمانوں کے دور حکومت میں فارسی کو برصغیر کی سرکاری اور درباری زبان ہونے کا شرف حاصل رہا۔تصنیف وتالیف اور تخلیقی ادب کے ساتھ ساتھ مسلمان آبادی کے زیادہ تر حصوں میں فارسی ہی عام بول چال کی زبان تھی۔اسی طرح اس خطے میں فارسی کا علمی اور ادبی درجہ بلند ہوتا گیا اور دوسری علاقائی زبانوں پر اس کے اثرات واضح ہوتے گئے۔اس عہد کی اکثر اہم کتب فارسی زبان میں لکھی گئیں۔فارسی زبان سلاطین دہلی کے عہد میں دربار کی زبان تھی۔یہ مستقل زبان کی حیثیت سے مغلوں کے عہد میں موجود رہی حتی کہ اردو نے اس کی جگہ لے لی۔اردو کا لفظ ترکی زبان سے ماخوذ ہے اور اس کا لفظی مطلب لشکر ہے۔اس زبان کو دکن میں خاص پذیرائی ملی اور فروغ حاصل ہوا۔اردو کے ابتدائی شعرا میں امیر خسرو، امیر حسن دہلوی، ملک محمد جائسی اور ولی دکنی مشہور ہیں۔ولی دکنی کو اردو کا پہلا باقاعدہ شاعر مانا گیا ہے۔کبیر اور نانک نے بھی اس زبان کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔(۱۰)

شاعری کا پہلا دور حضرت امیر خسرو سے شروع ہوتا ہے جس میں دس شعرا ہیں۔دوسرا دور قلی قطب شاہ سے شروع ہو کر شاہ میراں ہاشمی تک چودہ شعرا پر مشتمل ہے۔اس کے بعد ولی اور اس کے معاصرین کا زمانہ ہے اور یہ سارے فارسی زبان سے منسلک تھے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فارسی نے کسی اور زبان کو جگہ نہ دی حتی کہ کسی اور زبان میں کامیابی کا انحصار بھی فارسی پر تھا۔(۱۱)

اسلامی ہند میں علوم وفنون اور تعلیم وتدریس کو فروغ حاصل ہوا۔اس عہد میں برصغیر میں علوم و ثقافت کے ایک تابناک دور کا آغاز ہوا۔برصغیر کے شمالی حصے میں اسلامی علم وفضل کا آغاز حضرت شاہ اسماعیل بخاری اور حضرت داتا گنج بخش کی آمد کے ساتھ ہوا۔حضرت داتا گنج بخش کی کتاب کشف المحجوب اس دور کی برصغیر میں تصوف پر لکھی جانے والی اہم ترین کتاب نظر آتی ہے۔اس کے علاوہ داتا صاحب نے کشف الاسرار، منہاج الدین اور البیان لاہل العیان جیسی کتب اس وقت لکھیں جب ابھی شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف اور ابن عربی کی فصوص الحکم تالیف نہیں ہوئی تھی۔(۱۲)

کشف المحجوب تصوف کے موضوع پر ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔یہ برصغیر میں لکھی جانے والی فارسی کی پہلی کتاب ہے اور یہ کتاب آپ نے حضرت شیخ ابوسعید ہجویری کی فرمائش پر لکھی۔(۱۳) پھر علمی وادبی ترقی کا وسیع سلسلہ برصغیر میں خوب پھلا پھولا۔البیرونی ایک مشہور فلسفی، ہیئت دان اور مورخ تھا وہ 973 عیسوی میں پیدا ہوا اور محمود غزنوی کے ساتھ 1020 میں ہندوستان آیا اور دس سال تک ہندو معاشرے کا مطالعہ کرتا رہا۔اس نے استاد ابوسہل عبدالمنعم کی فرمائش پر 1030 میں اپنی مشہور کتاب کتاب ا

لہٰذا تالیف کی جو اپنی نوعیت کا سب سے بڑا علمی کارنامہ شمار ہوتی ہے۔(۱۴)

اسی دور میں ابوالفضل بیہقی نے تیس جلدوں پر مشتمل تاریخ بیہقی لکھی جو تاریخ آل سبکتگین بھی کہلاتی ہے۔اس میں مصنف نے صرف واقعات ہی بیان نہیں کیے بلکہ ان کے اسباب وعلل بیان کرنے کے ساتھ نتائج کا تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔اس کا صرف ایک حصہ باقی رہ گیا ہے جو سلطان مسعود کے دور پر محیط ہے باقی یہ کتاب ناپید ہو چکی ہے۔فن تاریخ نویسی کے اعتبار سے یہ کتاب فارسی تاریخ نویسی کے بہترین نمونوں میں شمار ہوتی ہے۔(۱۵) پھر اس نے علم ہیت پر ایک اور کتاب سلطان مسعود کے دور میں قانون المسعودی لکھی اور اس کے علاوہ بہت سارا ہندی علم وفن سنسکرت سے فارسی میں منتقل کیا۔اسی طرح مسعود کے عہد کا ایک اور نام شیخ نظامی گنجوی ہے جس نے مخزن اسرار لکھی۔سلطان بہرام بن مسعود نے کئی غیر ملکی کتب کا فارسی ترجمہ کرایا جن میں ایک مشہور کتاب سنسکرت کی کتاب ''کلیلہ ودمنہ'' بھی ہے۔(۱۶)

برصغیر کی تاریخ میں ایک مشہور فارسی شاعر مسعود سعد سلمان تھا جس نے فارسی کے علاوہ ہندی اشعار بھی کہے۔وہ خود اپنی جائے پیدائش لاہور بتاتا ہے:

مولدم لاہور و از لاہور دور　　　　دیحك ائے لاہور بے تو کے سُرور

مسعود صاحب دیوان شاعر تھا اور عوفی کے بقول اس کے تین دیوان تھے ایک عربی، ایک فارسی اور ایک ہندوستانی۔(۱۷)

التتمش کا بیٹا رکن الدین نہایت ہی نااہل تھا مگر علم وادب کا سرپرست تھا۔اس نے اپنے دور میں امام رازی کی تالیف ''سر مکتوم'' کا فارسی ترجمہ کرایا۔اس کے علاوہ تاج الدین سنگریزہ سلطان شمس الدین کے دربار کا ایک مشہور شاعر تھا۔اس کا ایک شعر بہت مشور ہے:

مولد و منشا بیبں در خاك ھندوستان مرا　　　　نظم و نثرم ھیں که با آب خراساں آمد است(۱۸)

پنجاب کا ایک اور نامور شاعر ابوالفرج رونی تھا جس کی شاعری بہت مقبول تھی۔التتمش کے عہد میں سدیدالدین محمد عوفی نے حکایات پر مبنی ایک مجموعہ جوامع الحکایات اور لباب الالباب مرتب کیا۔عوفی کو قباچہ کی سرپرستی حاصل رہی۔اس نے اپنی علمی قابلیت کے خوب جوہر دکھائے۔جوامع الحکایات چار جلدوں پر مشتمل ہے۔لباب الباب دو جلدوں پر مشتمل ہے جس میں سلاطین، امراء، علما اور فضلا کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔اسی طرح عوفی کی ایک اور اہم تصنیف مدائح السلطان ہے لیکن یہ زیادہ معروف نہیں۔اسی دور میں محمد بن علی کوفی کی چچ نامہ یا تاریخ قاسمی کا عربی سے فارسی ترجمہ کیا گیا۔سلاطین دور میں قاضی منہاج سراج جوزجانی کی کتاب طبقات ناصری لکھی گئی جو اس دور کا سب سے اہم ماخذ ہے۔ناقدین اس کتاب کو فارسی میں لکھی جانے والی ایک اہم تاریخی دستاویز مانتے ہیں۔طبقات ناصری تیئس طبقات پر مشتمل نہایت ہی اہم ماخذ ہے۔سلطان ناصرالدین محمود کے دور میں یہ کتاب مکمل ہوئی تو اسی کے نام سے منسوب کی گئی۔تیرھویں

صدی کا ایک اور عظیم شاعر و مؤرخ صدرالدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری تھا جس کی کتاب تاج الماثر خاندان غلاماں کا ایک اہم ماخذ ہے۔ محمد بن منصور فخر مدبر کی کتاب آداب الحرب والشجاعت اور بحرالانساب بھی اسی دور کے شاہکار ہیں۔(۱۹)

مولانا فضلی ملتانی اور ضیاء الدین سنجری بھی اس دور کے اہم شعرا میں سے ہیں جن کو دربار میں نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ خراسان کی بربادی کے بعد غیاث الدین بلبن کا دور علمی و ادبی اعتبار سے چنداں کم نہیں۔ اس دور میں علما، صوفیا اور بزرگان دین نے علم و ادب کو بام عروج تک پہنچایا۔ ان میں شیخ بہاؤ الدین، خواجہ فرید مسعود گنج شکر، نظام الدین اولیاء، قطب الدین بختیار کا کی اور سیدی مولا جیسے صاحب ارباب بصیرت موجود تھے۔ امیر حسن سنجری کی فوائد الفواد، امیر خورد کی سیر الاولیاء، ملفوظات حضرت گنج شکر اسرار الاولیاء، جمالی کے سیر العارفین، زبدۃ المقامات اور مراۃ العاشقین اور حضرت چراغ دہلوی کے ملفوظات خیر المجالس جیسا ادب صوفیا کے علمی ذوق کا عکاس ہے۔(۲۰)

ہندوستان میں فن انشاء کی پہلی کتاب حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے خلیفہ حمید الدین صوفی ناگوری کے مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ان کی اور کتب میں اصول طریقت اور ملفوظات سرور الصدور بہت مشہور ہیں۔(۲۱)

اسی دور میں دہلی میں طوطی ہند امیر خسرو ہوئے جو زینت مجالس دربار سلاطین تھے۔ اس کے ساتھ خواجہ حسن سنجری، موید دیوانہ، امیر ارسلان قلی، اختیار الدین یاغی اور باقی خطیر جیسے شعرا دربار میں مقیم تھے۔ علاؤالدین خلجی کا وزیر شمس الملک بہت عالم و فاضل آدمی تھا اس زمانے کے بڑے بڑے نامور علما کے ساتھ اُس کے تعلقات تھے۔(۲۲)

تغلق دور کی تصانیف میں ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی ہے جس میں برنی نے سیاست، مذہب اور فلسفہ سیاست کے ساتھ اس دور کے حالات سلطنت کا احوال تحریر کیا ہے۔ برنی نے اپنی اس تاریخ میں غیاث الدین بلبن سے سلطان فیروز شاہ تغلق کے پہلے چھ سالہ دور تک کے واقعات کو تحریر کیا ہے۔ برنی کی تاریخ فیروز شاہی کو برصغیر تاریخ نویسی اور خاص طور پر فارسی تاریخ نویسی میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ماثر سادات، عنایت نامہ، حسرت نامہ اور تاریخ آل برمک اس کی اہم تصانیف ہیں۔ برنی کا طرز تحریر نہایت سادہ اور آسان ہے۔ اس کی کتاب فیروز شاہی برصغیر میں فارسی میں لکھی جانے والی تاریخ کی سب سے مستند کتاب ہے۔ ضیاء الدین برنی برصغیر میں تاریخ نویسی میں ممتاز مقام رکھتا ہے اور اس کو ایک مستند مورخ تسلیم کیا جاتا ہے کیونکہ اس نے تاریخ نویسی کے معاملے میں نہایت احتیاط سے کام لیا اور تاریخ نگاری میں راست بازی کے اصولوں کی پاسداری کی جیسے وہ کہتا ہے:

فرد قیامت مورخ کذاب در سخت ترین عذاب اند(۲۳)

اس دور کی ایک اور اہم کتاب شمس سراج عفیف کی فیروز شاہی ہے۔ مصنف کے خاندان کا غیاث الدین تغلق کے دربار سے تعلق تھا اور اس کو دربار تک رسائی حاصل تھی۔ اس نے دربار کی بطور چشم دید گواہ کے منظر کشی کی۔ عفیف کی تاریخ فیروز شاہی تغلق دور کی سماجی تاریخ ہے۔ (۲۴)

امیر خسرو اسلامی ہند کے علم وادب کی جان ہیں اور ان کے تذکرے کے بغیر ہندوستان میں علمی وادبی ترقی کی تاریخ نامکمل ہے۔ امیر خسرو کی مفتاح الفتوح جس میں علاؤالدین کی فتح کا تذکرہ ہے ایک شاہکار ہے، عاشقہ یا دیول رانی وخضر خان جو شہزادہ خضر اور دیول رانی کے عشق کی داستان ہے، قران السعدین حکومتی معاملات چلانے سے متعلق ہے جو قطب الدین مبارک شاہ کے کہنے پر لکھی گئی۔ اس کے علاوہ تغلق نامہ اور خزائن الفتوح اور فتوح السلاطین اس دور کے شاہکار ہیں۔ (۲۵)

سلطان علاؤالدین کے دور میں شعرا بھی ایسے تھے ان کے بعد بلکہ ان سے پہلے بھی زمانے کی آنکھ نے ان کی مثل کوئی شاعر نہیں دیکھا تھا۔ خاص طور پر امیر خسرو جو قدیم وجدید شعرا کے شاہ ہیں جو اختراع معنی، تصانیف کی کثرت اور کشف رموز میں اپنی نظیر نہیں رکھتے ہیں۔ انھوں نے نظم ونثر میں کتب خانہ تصنیف کیا ہے۔ مشہور شاعر خواجہ سنائی امیر خسرو کے بارے میں کہتے ہیں:

به خدا از به زیر چرخ کبود   همچو او هست و بود خواهد بود

خدا کی قسم اس نیلے آسمان کے نیچے نہ ان جیسا کوئی (شاعر) ہے نہ تھا اور نہ ہوگا۔ وہ ایک مستقیم الحال صوفی تھے اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ مریدوں میں بھی ایسا عقیدت مند اور خاص مرید نہیں دیکھا۔ (۲۶)

امیر خسرو نے فارسی میں کئی کتب تالیف کیں جن میں مفتاح الفتوح، خزائن الفتوح، تغلق نامہ، مطلع الانوار اور مثنوی نہ سپہر، غرۃ الکمال، وسط الحیات، نہایت الکمال، قران السعدین مشہور ہیں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ امیر خسرو کی کتب کی تعداد تقریباً ننانوے ہے۔ ایک اور نامور شاعر امیر حسن سنجری حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے مرید تھے انھوں نے آپ کی زبان سے ادا ہونے والے تمام الفاظ کو جمع کر لیا اور ان کا نام فوائد الفواد رکھا۔ ان کی کئی نثر کی کتب اور مثنویاں بھی ہیں۔ دوسرے شعرا میں صدرالدین عالی، فخرالدین قورش، حمیدالدین، مولانا عارف اور صدر بستی شہرہ آفاق ہیں اور ہر ایک صاحب دیوان ہے۔ (۲۷)

جب منگولوں نے ایران اور عراق کو تاراج کیا وہاں سے علما وشعرا نے دہلی کا رُخ کیا اور ان علما کے آنے سے دہلی کی علمی قدر ومنزلت بڑھی اور علم وحکمت کا چراغ روشن ہوگیا۔ سنسکرت کتابوں کے فارسی تراجم ہوئے اور اسی عہد کی مشہور کتاب فقہ فیروز شاہی بھی تالیف ہوئی۔ (۲۸)

سلطان فیروز شاہ تغلق جو خود تو اعلیٰ پائے کا عالم وادیب نہیں تھا مگر اس نے علما اور ادبا کی سرپرستی

میں کبھی کوتاہی نہ کی۔اس نے اپنے دور میں پچاس مدرسے بنوائے اور علم پر پیسہ فراخ دلی سے خرچ کیا۔اس نے اپنی سوانح حیات فتوحات فیروز شاہی کے نام سے شائع کرائی۔نگر کوٹ پر حملے کے وقت اس کو سنسکرت کی تیرہ سو کتب دستیاب ہوئیں اور سلطان نے تقریباً ان سب کا فارسی ترجمہ کرایا۔اسی دور کی ایک اور تخلیق دلائل فیروز شاہی سلطان کی علم دوستی کا ثبوت ہے۔ابن بطوطہ کا سفر نامہ عجائب الاسفار اور یحییٰ بن احمد سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی بھی اس دور کا گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔(۲۹)

سلطان فیروز شاہ کا ایک امیر تاتارخان علم وادب کا بہت بڑا مربی تھا۔اس کی صحبت میں ہر وقت علما اور فضلا کا مجمع رہتا اور وہ ان کی عزت کرتا۔تاتارخوانی جو ایک مشہور و معروف زمانہ تفسیر ہے اسی امیر کی جمع کردہ ہے۔جب اس نے ایک مفصل تفسیر ترتیب دینے کا ارادہ کیا تو دستیاب تمام تفاسیر کو اور آئمہ تفاسیر کے اختلافات کو اس نے علما کی مدد سے ہر آیت کے متعلق اپنی اس تفسیر میں درج کر دیا ساتھ ہی اختلاف کا حوالہ دے کر تصریح کر دی۔اس طرح اس تفسیر کے اندر تمام عالم کی تفاسیر کو جمع کر دیا گیا جو ایک کارنامہ ہے۔بعد میں تاتارخان نے اس کتاب کو تفسیر تاتارخوانی کے نام سے موسوم کیا۔اسی طرح تاتارخان نے پورے دہلی کی فتاویٰ کی کتب کو جمع کر کے خود ایک نسخہ ترتیب دیا جس میں ہر شرعی مسئلہ سے متعلق مفتیان شرع کے اختلافات نقل کیے اور مفتی کے اختلاف کو صاحب فتویٰ کی طرف منسوب کر کے فتویٰ اور مفتی کی صراحت کر دی یہ مجموعہ تیس جلدوں پر مشتمل تھا۔یہ تغلق دور کا ایک تاریخ ساز کام تھا جو تاتارخان نے سرانجام دیا۔(۳۰)

مغلوں کے دور میں فارسی تاریخ نویسی کو عروج حاصل ہوا۔مغل باشاہ فارسی زبان وادب کے سب سے بڑے سرپرست، محافظ ومعاون کے طور پر نظر آتے ہیں۔فارسی زبان کی اشاعت جو برصغیر میں ہوئی اس میں سب سے زیادہ کردار مغلوں کی ذاتی دلچسپی نے ادا کیا۔اس لیے مغلوں کے دور میں فارسی علم و ادب کو شاندار پذیرائی ملی۔یہ برصغیر میں تاریخ نویسی کا زریں دور تھا جب فارسی زبان تاریخ نویسی کا اہم ذریعہ بن گئی تھی۔مغل بادشاہوں کے علاوہ کئی اہم مؤرخین خوند میر، گلبدن بیگم، مرزا وحید، جوہر آفتابچی، عباس خان، شیخ مبارک، ابوالفضل، عبدالقادر بدایونی، خواجہ نظام الدین احمد، حمید لاہوری، عنایت خان، مرزا کاظم، ساقی مستعد، خافی خان، شیخ نور الحق، شیخ محدث دہلوی، حیدر مرزا، سعد اللہ خان، مولانا حسن دہلوی، محمد شریف حنفی، مولوی محمد وارث، محمد صالح کمبوہ، محمد صادق، امین قزوینی، امان اللہ امانی، دارالشکوہ، جہاں آراء بیگم، نعمت علی خان کے نام قابل ذکر ہیں۔مغلوں کے دور میں کئی نادر تاریخی کتب لکھی گئی جو نہ صرف تاریخی بلکہ ادبی شاہکار ہیں۔

بابر خود فارسی اور ترکی زبان کا اچھا شاعر تھا۔تزک بابری ایک مشہور کتاب ہے۔بابر مغلوں میں تیمور کے بعد آخری بادشاہ تھا جس نے تزک بابری اپنی مادری زبان ترکی میں لکھی اور اس میں ایام طفولیت سے لے کر آخری عمر تک کے حالات تحریر کیے۔یہ کتاب تزک بابری کے علاوہ بابر نامہ، واقعات بابری اور

سوانح بابری کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔ بابر نے یہ کتاب اگرچہ ترکی میں لکھی گئی مگر وہ فارسی زبان کا ولدادہ تھا اور اکثر جگہوں پر اس نے فارسی زبان کا خوب استعمال کیا ہے۔ اس نے اپنی اس تزک کا فارسی ترجمہ کرایا اور یہ فارسی ترجمہ شیخ زین الدین وفائی نے کیا اور اس کا نام طبقات بابری رکھا۔ (۳۱)

مورخین نے اس ترجمے کو نامکمل سمجھا اور اس کے کئی اور فارسی تراجم ہوئے جن میں پائندہ حسن، محمد قلی حصاری، عبدالرحیم خان خاناں، حیدر مرزا اور علی الخویب کے تراجم مشہور ہیں۔ یہ فارسی تراجم برصغیر میں فارسی نثر کے شاہکار تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد بابر نے جنگ کنواہ کے حالات لکھنے کا بھی حکم دیا جس کو زین الدین نے فتح نامہ کے عنوان سے فارسی میں تحریر کیا۔ یہ جنگ بابر اور رانا سانگا کے درمیان 1527 میں لڑی گئی۔ اس لحاظ سے یہ کتاب بھی بابر کے دور کا اہم تاریخی ماخذ ہے۔ بابر کے دور میں ابراہیم بن حریری نے تاریخ ہند ابتدا تا بابر لکھی اور اس کو تاریخ ابراہیمی کا نام دیا۔ اس نے یہ کتاب بابر کو پیش کی تو وہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ واقعہ 1528 کا ہے۔ (۳۲) حیدر مرزا بابر کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اس نے کشمیر فتح کیا اور بعد میں اس نے تاریخ رشیدی لکھی جس میں اس نے چشم دید واقعات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ کاشغر اور خانان شیبان کے حالات کو بھی قلمبند کیا۔ (۳۳)

اسی طرح مولانا محمد فضل سمرقندی نے بابر کے دربار میں ملازمت اختیار کی اور انھوں نے جواہر العلوم لکھی جو 1539 میں مکمل ہوئی۔ اس میں بابر کے ساتھ ہمایوں کا دور بھی شامل کیا گیا۔ ہمایوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فارسی ادب کا دلدادہ تھا اس نے فارسی میں غزلیں، رباعیات اور مثنویاں لکھیں۔ ہمایوں نے اپنی بول چال کی زبان بھی فارسی ہی اختیار کر لی، وہ صرف اس وقت ترکی بولتا جب اس کو فارسی کے کسی لفظ کا پتہ نہ چلتا۔ ہمایوں نے فارسی کو دربار مغلیہ کی زبان بنایا۔ بہت سارے علما جن میں خواجہ جامی، مولانا بزمی، مولانا عبدالباقی، ملا جان، میر عبداللطیف قزوینی، شیخ نظام، ضمیری بلگرامی جیسے لوگ صفوی دربار کو چھوڑ کر مغل دربار کا حصہ بن گئے تو اس کے نتیجے میں بھی ہندوستان میں فارسی ادب خوب پھلا پھولا۔ (۳۴)

غیاث الدین بن حمام الدین نے فارسی میں کئی کتب تصانیف کیں جن میں ماثر الملک، دستور الوزراء، مکارم الاخلاق، قانون ہمایونی، خلاصۃ الاخبار اور منتخب التاریخ وصف لکھیں جس پر ہمایوں نے اس کو امیر اخبار کا خطاب دیا۔ اس نے تذکرہ ہمایوں و اکبر لکھا جو بعد میں تاریخ ہمایوں کہلایا۔ ابوالفضل اور بدایونی کی اکثر معلومات کا ماخذ یہی کتب ہیں۔ گلبدن کا لکھا گیا ہمایوں نامہ بھی اس دور کی ایک اہم دستاویز ہے جو اس نے اکبر کی فرمائش پر لکھا جس میں پہلا حصہ بابر اور دوسرا حصہ ہمایوں کے دور پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ اس نے مغل حرم کی عورتوں کے مقام کا بھی تذکرہ کیا ہے اور اس میں ہمایوں کے دور کے حوادث کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اکبر کے دور میں فارسی کو بہت فروغ ملا یہاں تک کہ زبان دانوں کا ایک ایسا گروہ بن گیا جن کا کام صرف کتب تلاش کرنا تھا اور ان کتب کا عربی یا فارسی ترجمہ کرنا اس گروہ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ (۳۵)

اکبر کے عہد میں رزق اللہ مشتقی کی واقعاتِ مشتقی اور عباس خان کی تحفہ اکبری میں مغل دور کے ابتدائی واقعات کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ مشتقی نے نہ صرف سیاسی واقعات کو قلمبند کیا ہے بلکہ معاشرتی حالات کو بھی زیرِ بحث لایا ہے۔ یہ مغلوں کے خلاف افغانوں کی مزاحمت کی بھی داستان ہے کہ کس طرح ہمایوں اور شیر شاہ سوری کے مابین عداوت تھی اس نے شیر شاہ کے نظامِ حکومت کو بھی جگہ دی اور اس کے نظامِ حکومت کی تعریف کی۔ ہمایوں کی تعریف کی اور اس کو نرم دل حکمران کہا۔ تحفہ اکبری شیر شاہ سوری کے دور کا ایک مکمل ماخذ ہے۔ اس سے ہر دور کے مؤرخین نے استفادہ کیا ہے۔ اکبر نے اپنے دور میں فارسی زبان و ادب کو عروج تک پہنچانے میں حقیقی کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں ملا عبدالقادر بدایونی کی سربراہی میں ایک ادارہ برائے ترجمہ قائم کیا جس میں نامور مؤرخین شامل کیے گئے اور یہ تمام وہ لوگ تھے جو فارسی زبان کے ماہر تھے۔ اس ادارے کا بنیادی کام مختلف زبانوں میں لکھی گئی کتب کا فارسی زبان میں ترجمہ کرنا تھا۔ اس قسم کی کاوشوں نے لوگوں کو متاثر کیا اور ان کو فارسی تاریخ نگاری کی ترغیب دی۔ مغلوں کے عہد میں ایران سے بہت سارے علما اور مؤرخین نے بھی دربار دہلی سے منسلک ہونا اعزاز سمجھا۔ ان میں ملا عبدالنبی مولف میخانہ اور عبدالرزاق فیاض مشہور ہیں۔(۳۶)

اکبر کے دربار میں فیضی اور خان خاناں جیسے لوگ موجود تھے جو علمی اور ادبی ترقی میں کردار ادا کر رہے تھے۔ اسی دور کے اہم سیاسی واقعات پر مشتمل خواجہ نظام الدین احمد کی کتاب "طبقات اکبری" ایک اہم تاریخی ماخذ ہے۔ یہ کتاب نو طبقوں پر میں تقسیم ہے اور اس میں شاہانِ ہند اور ان کے ادوار کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ خواجہ نظام الدین احمد نے تاریخ الفی کی بھی ایک جلد لکھی دوسری جلد ملا عبدالقادر بدایونی نے اور تیسری جلد حکیم ہمایوں نے لکھی۔ اسی طرح اکبر نامہ میں جامع التواریخ کی نسبت زیادہ وضاحت کے ساتھ فارسی تاریخ نویسی کی مثالیں ہیں۔ اکبری عہد کی ایک اور اہم کتاب محمد قاسم بن غلام علی ہندو شاہ فرشتہ کی تاریخ فرشتہ ہے۔ اس کتاب کا نام گلشن ابراہیمی تھا مگر بعد میں تاریخ فرشتہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ بدایونی اکبر کے پاس بیس سال تک دربار میں رہا اور اس نے اس اہم ترین دور پر تین جلدوں پر مشتمل منتخب التواریخ تالیف کی۔ پہلی دو جلدوں میں اس نے سیاسی واقعات بیان کیے ہیں جبکہ تیسری جلد میں علما، شعرا صوفیا، سائنس دان، موسیقاروں اور تاریخ دانوں کی سوانح عمریوں کی ایک مکمل تفصیل دی جنھوں فارسی ادب کی ترویج میں کردار ادا کیا۔ منتخب التواریخ عہد اکبری کا اہم ماخذ ہے۔ عبدالقادر بدایونی پہلے دربار میں رہ کر سنسکرت اور عربی کی کتابوں کے تراجم کرنے پر مامور تھا۔ اس نے مہابھارت، رامائن، سنگھاسن اور معجم البلدان کا فارسی ترجمہ کیا۔(۳۷)

ابوالفضل اس دور کا سب سے اہم مؤرخ ہے۔ اس نے تاریخ کو واقعات کے تناظر میں زمانی ترتیب کے تحت رقم کیا۔ اس نے اکبر نامہ 1596 عیسوی اور آئین اکبری 1602 عیسوی میں تالیف کی۔

آئین اکبری اکبر اعظم کا آئین نظر آتا ہے جس کے تحت اس نے مختلف ادارے ترتیب دیئے۔ ابوالفضل اکبر کے دور کا سب سے اہم فلسفی، عالم، مورخ اور وزیر ہے جو دربار میں ایک منفرد مقام کا حامل رہا۔ اس کی کتاب آئین اکبری ایک تاریخی شاہکار ہے۔ اسی طرح اکبر نامہ کو مورخین، محققین اور مبصرین نے برصغیر میں فارسی ادب کا شاہکار تسلیم کیا ہے کہ اس کی نثر عالمانہ ہے۔ (۳۸)

اس عہد سے متعلقہ ایک اور کتاب تاریخ الفی ہے۔ یہ کتاب اکبر بادشاہ کے کہنے پر مولانا احمد ٹھٹھوی نے لکھی۔ اس کا عہد آغاز اسلام سے لے کر ایک ہزار ہجری تک کا ہے۔ اسی نسبت سے اسے تاریخ الفی کے نام سے موسوم کیا گیا۔ بادشاہ ہند اکبر اعظم نے یہ تاریخ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ اسی طرح دہلی بادشاہوں کے حالات پر مشتمل ایک اور کتاب تاریخ فرشتہ ہے جس کے مؤلف محمد قاسم ہندو شاہ اور تخلص فرشتہ ہے۔ ان کے والد غلام علی شاہ ایران سے ہندوستان آئے۔ وہ احمد نگر میں مقیم ہوئے۔ محمد قاسم کو حصول علم سے فارغ ہو کر ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں مؤرخ کی حیثیت سے جگہ ملی اور اس نے حکمران وقت کی فرمائش پر یہ تاریخی کتاب لکھی۔ اس میں مؤلف نے ہند کے بادشاہوں کے حالات بڑی شرح و سبط سے لکھے ہیں۔ یہ تاریخ اگرچہ مغل بادشاہوں کے دربار میں تو نہیں لکھی گئی تھی لیکن اس میں دہلی کے بادشاہوں کے حالات بھی ہیں۔ اس طرح یہ کتاب بھی اسلامی ہند کے علمی و ادبی خزانے میں ایک انمول موتی کی طرح ہے۔ ایک اور ہندوستانی تاریخ میں منتخب التواریخ بھی ہے جو غزنوی عہد سے شروع ہو کر اکبر کی حکومت کے پہلے پندرہ سالہ دور پر مشتمل ہے۔ اس کے مؤلف ملا عبدالقادر بدایونی ہیں۔ اس میں ملکی حالات کے علاوہ اکبری عہد کے صوفیا، فلاسفر، اطبا اور شعرا کا بھی حال موجود ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے لیکن وہ مذہبی اعتبار سے اکبر سے متصادم تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ کتاب اکبر کی زندگی میں باہر نہ آئی۔ (۳۹)

ایک اور ادبی شاہکار محمد عبدالباقی نہاوندی کی کتاب ماثر رحیمی ہے جو نہ صرف مغلوں کے دربار کی تاریخ ہے بلکہ اس میں اکبر کے دربار سے وابستہ امرا اور شعرا کا تذکرہ ہے۔ عبدالحق سیف الدین دہلوی کی تاریخ حقی خاندان غلامان سے لے کر اکبر اعظم تک کے مسلمان بادشاہوں پر مشتمل ہے۔ عبدالحق کے بیٹے نورالحق کی کتاب زبدۃ التواریخ بھی مذکورہ بالا عہد پر بحث کرتی ہے۔ اکبر کے عہد حکومت میں مدرسوں میں معقولات کی کتب میں اضافہ ہوا۔ ایرانی علما کے آنے سے فلسفہ کا زور ہوا۔ اکبر سے پہلے گجرات علم و حکمت کا مرکز تھا اور جب اکبر نے گجرات کو فتح کیا تو علما کو بھی دہلی اور آگرہ آنا پڑا۔ اکبری عہد میں سنسکرت، عربی، ترکی، فارسی اور یونانی کتب کے تراجم کرائے گئے۔ ہندی زبان کو بھی کافی فروغ حاصل ہوا۔ تلسی داس، سورداس اور خان خاناں ہندی کے مشہور شاعر تھے۔ فیضی کے علاوہ اس زمانے میں مُلا ظہوری بھی ایک بڑے شاعر گزرے ہیں۔ دربار اکبری میں فارسی ادب کی ترقی کی بنا پر اسے ایرانی ادبا دربار ایران ثانی کہتے

تھے۔ ملک الشعرا بہار میں لکھتے ہیں کہ دہلی میں فارسی زبان اور علوم ادبیات فارسی کا رواج دربار اصفہان سے کہیں زیادہ تھا۔ (۴۰)

اکبری عہد کی ایک اور مشہور کتاب اکبر نامہ ہے۔ یہ ابوالفضل کا عظیم کارنامہ ہے جو دو جلدوں پر محیط ہے۔ پہلی جلد میں تیمور سے بابر تک کے حالات ہیں اور دوسری جلد میں ہمایوں سے لے کر اکبر کے دور تک کے واقعات سال بہ سال درج ہیں۔ ایک اور اہم ترین تاریخی ماخذ ابوالفضل کی منفرد تالیف آئین اکبری ہے دو جلدوں پر مشتمل یہ کتاب اکبر کے دور کے قواعد وضوابط کا مجموعہ ہے۔ ابوالفضل نے ''کلیلہ و دمنہ'' کو دوبارہ آسان فارسی میں لکھ کر اس کا نام عیار دانش رکھا۔ شیخ زین الدین کی تحفۃ المجاہدین، قرۃ العین، فتح المعین اور ارشاد العباد بھی اکبری عہد کے اہم ادبی ماخذ ہیں۔ (۴۱)

جہانگیر کی تزک جہانگیری اور محمد شریف خان معروف معتمد خان کی آسان اور سادہ فارسی زبان میں لکھی گئی کتاب اقبال نامہ جہانگیری مشہور ہیں۔ حسن علی خان کی تواریخ دولت شیر شاہی، عبداللہ کی تاریخ داؤدی و تاریخ شاہی، عباس سروائی کی تاریخ شیر شاہی، شامل ہیں۔۔۔ اسی طرح جہانگیر کے دربار میں بھی نامور فارسی شعرا نظیری نیشاپوری، طالب آملی، جمال الدین عرفی طالب اصفہانی، میر معصوم کاشی جیسے لوگ موجود تھے۔ جہانگیر تزک جہانگیری میں لکھتا ہے نظیری میرے پاس کچھ اشعار لکھ کر لایا تو میں نے اسے ایک ہزار روپیہ، گھوڑا اور خلعت سے سرفراز کیا۔ سعیدائے زرگر باشی کو ایک قصیدے کے صلے میں اشرفیوں سے تلوایا۔ اسی طرح جشن نوروز کے موقع پر قدسی کو ایک قصیدے کے بدلے تولا گیا اور اس کے وزن کے برابر روپیہ عنایت کیا گیا۔ یہ وہ حوصلہ افزائی تھی جس کے نتیجے میں دربار علما اور فضلا سے بھرا پڑا تھا۔ جہانگیر کا دور بھی فارسی تاریخ نویسی کا ہی دور ہے۔ جہانگیر کے دور کی ایک اور کتاب تاریخ مخزن افغانی ہے جس کا مصنف نعمت اللہ ہروی ہے۔ ملا عبدالباقی کی ماثر رحیمی تین جلدوں پر مشتمل ہے جس کی پہلی جلد میں بیرم خان کے حالات، سلاطین ہند شاہان غزنی سے جہانگیر تک کے حالات کا تذکرہ ہے، دوسری جلد میں عبدا لرحیم خان خاناں کے حالات کے ساتھ سندھ، گجرات اور دکن کے حالات ہیں۔ (۴۲)

عہد شاہ جہاں علمی و ادبی ترقی کا دور تھا اس میں ترقی کا پہیہ ویسے رواں دواں تھا جیسے سابقہ دور میں تھا۔ اس دور کے اہم مؤرخین میں سب سے اہم مؤرخ شاہ جہان کا اپنا چہیتا بیٹا دارالشکوہ ہے جو ایک باکمال مورخ ہی نہیں بلکہ شاعر اور خطاط بھی تھا۔ اس کی کتب سفینۃ الاولیا اور سکینۃ الاولیا کو تصوف میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ سفینۃ الاولیا میں اس نے خلفا راشدین، حسنین کریمین، آئمہ کرام، اولیا کرام، ازواج واہل بیت رسول کے مناقب کو تحریر کیا۔ یہ کتاب اپنی عمر کے پچیسویں سال لکھی۔ سکینۃ الاولیا میں اس نے ملا شاہ محمد بدخشانی اور ان کے پیر میاں محمد کے حالات، ملفوظات اور کرامات کو بیان کیا۔ (۴۳)

دیگر مورخین میں محمد شریف حنفی کی مجلس سلاطین، عبدالحمید لاہوری کی بادشاہ نامہ عہد شاہجہانی کی

مستند تاریخ ہے۔ اسی طرح، محمد صالح کمبوہ کی مناقب مرتضوی، بہار سخن، عمل صالح مشہور ہیں۔ اسی طرح امان اللہ امانی کی تاریخ سلاطین عالم، محمد صادق ولد مولوی صالح کی صبح صادق، عنایت اللہ خان کی شاہجہان نامہ، محمد صادق خان ولد شریف ہروی کی آثار شاہجہانی مشہور تاریخی دستاویزات ہیں۔ شاہجہاں کی بیٹی جہان آراء بیگم نے مونس الارواح کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جس میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، شیخ حمید الدین ناگوری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی اور حضرت چراغ دہلوی کے حالات اور کرامات کو بیان کیا ہے۔ (۴۴)

عہد عالم گیری میں ادبی ترقی جاری رہی اور مؤرخین نے کئی کتب تالیف کیں جن میں بختاور خان کی مراۃ عالم ہے جو عہد نبوی سے اورنگ زیب کے دور کے پہلے دس سالوں پر محیط ہے۔ اس کے علاوہ چہار آئینہ جس میں جانشینی کی چار جنگوں کا تذکرہ ہے، ریاض الاولیاء مشائخ کے حالات ہیں اور سواد اعظم ہے جن میں شعرا کا کلام موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ عاقل خان عسکری کی واقعات عالم گیری اور رقعات عالم گیری بہت مشہور ہیں۔ اسی طرح محمد ہاشم علی خان کی تاریخ لب لباب یا تاریخ خافی خان یا منتخب اللباب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ساقی مستعد کی کتاب ماثر عالمگیری، سید فضل خان کی تاریخ فوضلی اور عزیز اللہ کی زینت التواریخ جس میں جہاندار شاہ اور بہادر شاہ کے حالات کا تذکرہ ہے۔ فارسی ادب میں ایک شاندار اضافہ ہے اسی طرح مولوی خیر الدین الہ آبادی کی کتاب عبرت نامہ مغل زوال پر مشتمل ایک اہم اور جامع کتاب ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب نہایت اہم تاریخی دستاویز ہے۔ یہ عہد عالم گیری کی مشہور تاریخی کتب ہیں۔ مغلوں کے آخری دور پر مشتمل ایک اہم کتاب غلام حسین طباطبائی کی سیرت المتاخرین ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں برصغیر کے حالات اور قدیم تاریخ سے لے کر اورنگزیب عالمگیر تک کے واقعات ہیں جبکہ دوسرے حصے میں آخری بادشاہوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی سے تعلقات کا بیان کیا گیا ہے۔ سہل فارسی زبان میں لکھی جانے والی یہ ایک بہترین کتاب ہے۔ (۴۵)

اس دور میں ادبی ترقی زوروں پر تھی۔ بادشاہوں کی طرف سے سرپرستی بھی حاصل تھی۔ اس ترقی میں جہاں مزاج شاہانہ کارفرما تھا وہیں ذوقِ ادب اور علم کی تڑپ بھی موجود تھی۔ یہی وہ دور ہے جس میں اردو علم و ادب کی ترقی نے کروٹ لی اور ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ راجو قتال کے ملفوظات زبدۃ الموا حدین، محب کی مثنوی معجزات فاطمہ، جنیدی کی ماہ پیکر، عابد کی گلزار السالکین، فائیز گولکنڈوی کی رضوان شاہ و روح افزا، عبداللہ ہاشمی کی دار المجالس، طبعی کی بہرام گل واندام اور غواصی کی مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال اور طوطی نامہ مشہور ہیں۔ اسی ادبی تناظر میں میراں یعقوب کی شمائل الاتقیاء، عبدالقدوس گنگوہی کی رشد نامہ، شاہ میراں جی کی خوش نامہ، شہادت الحقیقت، مرغوب القلوب، شیخ عبدالحق کی اخبار الاخیار اور فضلی کی روضۃ الشہداء مشہور و معرف علمی و ادبی شاہکار ہیں۔ (۴۶) مغلوں کے آخری دور میں جو زوال، انتشار، مفلسی پر

مشتمل ہے اس دور میں بھی مورخین نے اپنا کام جاری رکھا۔ان میں میر مبارک اللہ کی تاریخ مبارک شاہی، نعمت خان کی تالیفات بہادر شاہ نامہ، وقائع نعمت خان، زمزم نامہ، قصائد اور پند نامہ مشہور ہیں۔ (۴۷) برصغیر میں مسلمانوں کے دور حکومت میں فارسی تاریخ نویسی کی وہ شیریں زبان تھی جس نے برصغیر کے علم وادب کی کایا پلٹ دی اور اس پر گہرے نقوش مرتب کیے۔اب انگریزوں کی آمد کے بعد روبہ زوال تھی۔ چارٹرا یکٹ اور میکالے رپورٹ کے بعد کہا جارہا تھا۔

پڑھو فارسی بیچو تیل

انیسویں صدی کے اختتام پر فارسی تاریخ نویسی کے دریچے بند کر دیئے گئے اور نئی نسل فارسی زبان سے تقریباً نابلد ہوگئی۔گو فارسی ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی ادبی وعلمی زبان رہی تھی اور 1834 عیسوی تک فارسی کا سکہ سرکاری دفاتر اور علمی مجالس پر یکساں رواں تھا۔اس سال سے فارسی کی جگہ اردو نے لینی شروع کی لیکن ایک مدت تک وہ لوگ زندہ تھے جن کی علمی زبان فارسی تھی۔مگر بیسویں صدی کی شروعات نے فارسی کا باب بند کر کے ادبی ترقی روک دی اور جو نئی پود پرورش پا رہی تھی وہ علمی اور ادبی لحاظ سے یتیم تھی۔اس کی دماغی ساخت میں قدیم تاریخی ورثے طبقات ناصری، فوائد الفواد، اکبر نامہ، خزائن الفتوح، سیر الاولیاء اور رقعات عالمگیری کو کوئی عمل دخل نہ تھا اور ان کے لیے جوز جانی، عوفی، خسرو، برنی، فیضی، ابوالفضل اور بدایونی محض قدیم دور کے نام رہ گئے۔(۴۸)

چوں خس از موج ہر بادے کہ می آیلز جار فتم دل من از گمانہا در خروش آمد یقینے دہ
بجانم آرزوہا، بود و نا بود شرر دارد شبم را کو کبے از آرزوے دل نشینے دہ

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ علی کوفی، فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ، مترجم امیر احمد، سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد1954،ص152

۲۔ علامہ عبدالرحمان ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج ششم، مترجم علامہ حکیم احمد حسن عثمانی، 1966،ص215

3- M.Nazim The Life and Time of Mehmood of Ghazna, New Delhi, 1971, p.44

۴۔ پروفیسر براون، لٹریری ہسٹری آف پرشیا، ج سوم، لندن، ص95

۵۔ قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، مترجم خواجہ عبدالحیٔ، لاہور، 1976، ص172

۶۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ص61

۷۔ عباداللہ اختر، مشاہیر اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1958،ص 162

۸۔ آب کوثر، ص61

۹۔ سلطنت دہلی ص 405

۱۰۔ ایضاص406

۱۱۔ پروفیسر جمیل احمد انجم، اردو شاعری کا ارتقاء، علمی کتاب خانہ، اردو بازار لاہور، س ن ندارد، ص1

۱۲۔ آب کوثر، ص77

۱۳۔ احوال وآثار، پروفیسر غلام سرور رانا، مین بازار لاہور، 2003،ص58

۱۴۔ کتاب الہند، البیرونی، مترجم سید اصغر علی جعفری، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور، 2005،ص16

۱۵۔ یحیٰ بن احمد سرہندی، تاریخ مبارک شاہی، مترجم آفتاب اصغر، لاہور 1991،ص28

۱۶۔ سلطنت دہلی، ص406

۱۷۔ آب کوثر، ص66

۱۸۔ آب کوثر، ص119

۱۹۔ یحیٰ بن احمد سرہندی، تاریخ مبارک شاہی، مترجم آفتاب اصغر، لاہور ۱۹۹۹ ص 33

۲۰۔ سلطنت دہلی، ص406

۲۱۔ آب کوثر، ص 123۔ آب کوثر، ص123

۲۲۔ تاریخ مبارک شاہی، ص34، 35

۲۳۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، مترجم ڈاکٹر سید معین الحق، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۹۱، ص 522
۲۴۔ شمس سراج عفیف، ص 38
۲۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۸، 1972، ص 921
۲۶۔ ہندوستانی تہذیب بوستان خیال کے تناظر میں، نئی دہلی۔ 1988، ص 99
۲۷۔ ضیاء الدین برنی، ص 523
۲۸۔ کمپنی کی حکومت، ص 22
۲۹۔ سلطنت دہلی، ص۔ 406
۳۰۔ شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، فکشن ہاؤس لاہور، 2003، ص 319
۳۱۔ ظہیر الدین بابر، تزک بابری، لاہور، 1974، ص 553
۳۲۔ بزم تیموریہ، ص 21
۳۳۔ عبدالغنی، فارسی زبان وادب اور مغل دربار، لاہور، 1983، ص 263
۳۴۔ ملا عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، ج اول، کلکتہ، 1884، ص 473
۳۵۔ ابوالفضل، ص 135
۳۶۔ ملا عبدالنبی، قزوینی، تذکرہ میخانہ، تہران، ص 282
۳۷۔ منتخب التواریخ، ص 315
۳۸۔ آئین اکبری، ص 191
۳۹۔ منتخب التواریخ، ج 1، ص 472
۴۰۔ کمپنی کی حکومت، ص 36
۴۱۔ مرزا مقبول، بدخشانی، ادب نامہ ایران، ص 762
۴۲۔ ادب نامہ ایران، ص 763
۴۳۔ دارالشکوہ، سفینۃ الاولیا، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1959، ص 5
۴۴۔ صباح الدین، عبدالرحمٰن، بزم صوفیا، اعظم گڑھ، 1949، ص 448
۴۵۔ ملا عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ،، 1889، ص 3
۴۶۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، س ن ندارد، ص 569
۴۷۔ بزم تیموریہ، ص 266، 297، 298
۴۸۔ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، سروسز بک کلب، راولپنڈی، 2003، ص 204